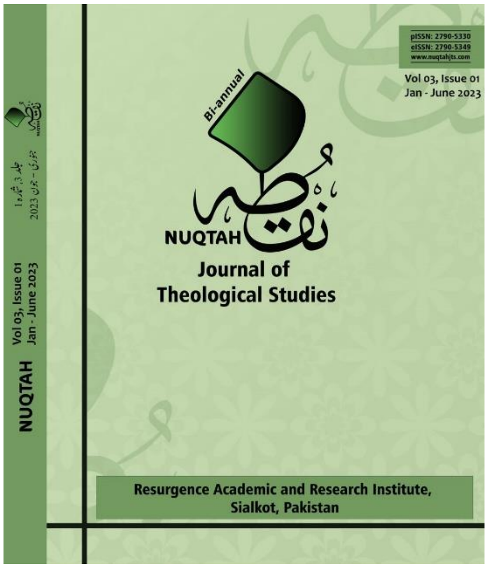

NUQTAH Journal of Theological Studies
Editor: Dr. Shumaila Majeed
(Bi-Annual)
Languages: Urdu, Arabic and English
pISSN: 2790-5330 eISSN: 2790-5349
https://nuqtahjts.com/index.php/njts

Published By:
Resurgence Academic and Research Institute, Sialkot (51310), Pakistan.
Email: editor@nuqtahjts.com

برصغیر میں سماجی تشکیل نو کے دینی تصورات:

مولانا عبید اللہ سندھیؒ، مولانا وحید الدین خانؒ کے افکار کا تجزیاتی مطالعہ

Islamic Concepts of Neo-Social Formation in Subcontinent An Analytical Study of Maulana ʿubaydullah Sindhi and Maulana Wahiduddin Khan's Ideologies

ڈاکٹر رشید احمد

اسسٹنٹ پروفیسر (یونیورسٹی آف ایگری کلچر، ملتان)

Email: rasheed.ahmad@mnsuam.edu.pk

ڈاکٹر عبدالحسیب

لیکچرر (پنجاب تیانجن یونیورسٹی آف ٹیکنالوجی، لاہور)

Email: dr.haseeb@ptut.edu.pk

ڈاکٹر محمد نوید اقبال

ادارہ تحقیقات اسلامی، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد

Email: naveediqbalna79@gmail.com

Published online: 30th June 2023

View this issue

OPEN ACCESS

CC BY

Complete Guidelines and Publication details can be found at:
https://nuqtahjts.com/index.php/njts/publication-ethics

برصغیر میں سماجی تشکیل نو کے دینی تصورات:

مولانا عبید اللہ سندھیؒ، مولانا وحید الدین خانؒ کے افکار کا تجزیاتی مطالعہ

Islamic Concepts of Neo-Social Formation in Subcontinent An Analytical Study of Maulana ʿubaydullah Sindhi and Maulana Wahiduddin Khan's Ideologies

ABSTRACT

The Article discusses the Ideologies of *Maulana ʿUbaydullah Sindhi* (1872-1944) and *Maulana Wahiduddin Khan* (1925-2021), about the mechanism of Social Formation in Islam. After the decay of Islamic rule in the world, there were many movements emerged with the title of Islam to establish an Islamic Society. The Scholars led that there are four pillars of social formation, first is *ʾīmān* (Faith, Motto, Philosophy, Ideology) means complete awareness of Islamic Teachings, second, is preaching of Islam according to *ʾīmān*, third is the disciplined party based on workers who accept the teachings by heart and psychologically, Fourth the party works with nonviolence, non-reaction, patience, tolerance during the struggle, As Muhammad (PBUH) responded in *Ta'if*. These four principles are followed by the great struggle of Muhammad (PBUH) and his companions. During his social formation, he and his companions neither took the law in hand nor forced society to anarchy. He established the state of *Madinah* with agreements.

Key Words: *ʾĪmān*, Motto, Preach, Party, Disciplin, Nonvoilence, Modern Movements

18ویں صدی عیسوی سے مسلم دور حکمرانی کے زوال کا آغاز ہوا۔ ہندوستان پر انگریزوں کے تسلط کے ساتھ ہی مسلم دور حکمرانی کا عملی طور پر خاتمہ ہو گیا۔ 20ویں صدی کے آغاز میں مسلمانوں کا عالمی غلبہ کلی طور پر اختتام پذیر ہو گیا۔ مسلمانوں کی قومی حکومتیں قائم ہوئیں اور اس کے ساتھ ہی آزادی کی تحریکات بھی چلیں، جن کا دعویٰ یہ تھا کہ وہ سماج کی تشکیل نو چاہتی

ہیں۔ سماجی تبدیلی کا دعوی کرنے والوں کے طریق کار اصلاحی، تبلیغی، انقلابی اور پر تشدد ہونے کے سبب تنوع رکھتے ہیں۔ اس تناظر میں تحقیق طلب بات یہ ہے کہ دین اسلام میں سماجی تشکیل نو کا تصور ہے کیا؟

اس کے لیے 20ویں صدی کے معاصر مفکرین کے دینی سماجی تصورات کے مطالعہ کی ضرورت پیش آتی ہے۔ جس کے لیے اس مقالے میں معاصر مفکرین مولانا عبید اللہ سندھیؒ(1872-1944)[1]، مولانا وحید الدین خانؒ(1925-2021)[2] کے افکار کا خصوصی مطالعہ کا اہتمام کیا گیا ہے۔

1۔ سماجی تشکیل نو کے لیے واضح فکر کی ضرورت کا جائزہ

انسان کوئی بھی کام کرتا ہے تو سب سے پہلے اس پر ایک ذہنی تصور بناتا ہے۔ پھر شعوری بنیادوں پر اس کا تجزیہ کرتا ہے۔ تاریخ یا گردوپیش میں موجود تجربات کی کسوٹی پر پرکھتا ہے۔ پھر اس تصور کو اپنے عمل کی بنیاد بنالیتا ہے۔ وحی الہی اور علوم نبوت بھی انسانوں کو عقائد کی دعوت دیتے ہیں۔ جن میں سے توحید کو سب سے بلند مقام حاصل ہے۔ توحید کا فکر انسان کو دنیا کی تنگیوں سے نکالتا ہے۔ اس کی نفسیات میں اس بات کو واضح کرتا ہے کہ یہ پوری دنیا مخلوق ہے اور اس کو پیدا کرنے والی ذات واحد ہے۔ اس لیے ایسا کوئی عمل جو مخلوق کو غلام بنانے والا ہو اس کے حقوق توڑنے والا ہو، درست نہیں۔

عقیدہ توحید انسانیت کے لیے ایک ایسا بلند نصب العین ہے، جس سے بلند تصور ممکن نہیں۔ جب انسان اللہ کو ایک مانتا ہے تو اس کا لازمی مفہوم یہ ہے کہ تمام کائنات اسی کی پیدا کردہ ہے۔ تمام انسان اسی کے پیدا کردہ ہیں۔ اس تصور کا نتیجہ یہ نکلتا ہے انسان اس تمام کائنات کو ایک مانتا ہے۔ وہ تمام انسانوں کو ایک مانتا ہے۔ وحدت انسانیت کا یہ تصور دراصل سماجی تشکیل نو کا ایسے واضح راستے کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ جو انسانوں کو ہر قسم کی گروہیت، فرقہ واریت اور طبقاتیت سے بلند کر دیتا ہے۔ اجتماع انسانی کو مہذب ترین بنانے کے لیے اُمّت کے مفکرین و مصلحین کے پیشِ نظر ایک نصب العین رہا ہے ان کی تمام تر

توانائیوں کا ہدف اور جدوجہد کا مقصد اسی بلند اور اعلیٰ نصب العین کا حصول ہوتا ہے۔[3]

اس نصب العین کو کا ذکر قرآن حکیم میں بہت سے مقامات پر آیا ہے-"إِلَّا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَعَمِلُواْ ٱلصَّٰلِحَٰتِ"[4] ایمان کیا ہے؟ ایمان یعنی نصب العین کے مطابق عملی نظام بنانا ہی عمل صالح ہے۔ یہی بات جماعت رسول ﷺ میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھی۔[5] مولانا سندھیؒ ایمان کی تین اساسیات بیان کرتے ہیں۔ سماوی کتب میں بیان کردہ الٰہی اصولوں کو تسلیم کر کے:

"1۔ ان اصولوں پر عمل کی پختہ نیت

2۔ ان اصولوں کو انسانی اجتماع میں قائم کرنے کی جدوجہد

3۔ ان کے قیام کے لیے جان و مال کی قربانی کا تہیہ"

مولانا سندھیؒ کے نزدیک ان تین چیزوں کا نام ایمان ہے۔ جو معاشرے الہامی مذاہب کے پیروکار نہیں، ان کے حکما نے انہیں جو علم دیا جس پر چل کر انہوں نے خدا پرستی کی، اسے دل سے قبول کیا اور اس کے مطابق عمل کا ارادہ بنالیا اور اس کے لیے اپنا تن، من اور دھن نثار کرنے کا عزم مصمم کر لیا تو یہ ان کا ایمان ہوگا۔ تاریخ انسانی کی شہادت موجود ہے کہ جس جماعت کے پاس ایسے لوگ نہ ہوں وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔

مولانا وحید الدین خانؒ کسی بھی سماجی تبدیلی کے لیے ذہنی تبدیلی کو اس کا لازمی و ضروری جزو قرار دیتے ہیں۔[6]

آپ سورۃ الاعراف[7] کی آیت کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْـهِـمْ بَـرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنَاهُـمْ بِمَا كَانُـوْا يَكْسِبُوْنَ

"حقیقت یہ ہے کہ ان آیات میں ایمان کا لفظ فکری انقلاب کے ہم معنی ہے۔ اس وقت جو لوگ آپ پر ایمان لائے ان کے لیے ایمان کا مطلب واضح طور پر ایک ذہنی فیصلہ تھا۔ اس حقیقت کو بآسانی اس وقت سمجھا جا سکتا

ہے اگر یہ دیکھا جائے کہ جب یہ آیتیں اتریں اس وقت یہود کے لئے یا عرب کے لوگوں کے لئے ایمان لانے کا مطلب عملاً کیا تھا۔"(8)

مولانا وحید الدین اپنے معاصر حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جو دین قرآن میں ہے وہ اور ہے۔ مولانا اسے "کتاب روپی دین" سے تعبیر کرتے ہیں۔ جو اس وقت کے مسلمانوں میں پایا جاتا ہے وہ بالکل اس سے الگ ہے۔ مولانا اسے "سماج روپی دین" سے تعبیر کرتے ہیں۔ کتاب روپی قرآن و سنت کی صورت میں محفوظ ہے، جو حقیقی دین اور اپنے لانے والے پیغمبر کا حقیقی نمائندہ ہے۔ جو ماحول کے اندر اجنبی ہو گیا ہے۔ سماج روپی دین منظم ادارے کے طور پر چل رہا ہے۔ مسلمانوں کی تمام تحریکیں کلی یا جزئی طور پر اسی سماج روپی دین کا علم اٹھائے ہوئے ہیں۔ ان کا حقیقی دین سے تعلق نہیں۔(9) مولانا وحید الدین اسے فکری و ذہنی انقلاب سے تعبیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

"یہ فکری انقلاب لوگوں کے اندر آفاقیت پیدا کرتا ہے جس کے نتیجے میں وہ غیر مفتوح کردار کے مالک بن جاتے ہیں۔۔۔ خلاصہ یہ کہ یہ ذہنی انقلاب جہاں برپا ہوتا ہے وہاں بالکل قدرتی طور پر ایسا ہوتا ہے کہ لوگوں کے قدموں کے نیچے سے بھی رزق ابلتا ہے اور ان کے سروں کے اوپر بھی رزق برستا ہے۔ خدا اپنی دنیا بھی ان کے لئے لکھ دیتا ہے اور اپنی آخرت بھی۔"(10)

یعنی کسی بھی تبدیلی کا پہلا خاکہ ذہن میں بنتا ہے۔ یہ خاکہ اگر سماجی تشکیل کے لیے ہوتا اسی کو فکری و ذہنی انقلاب کہتے ہیں جو سماجی انقلاب کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔

2۔ سماجی تشکیل نو کے لیے دعوت فکر و عمل:

جب کسی فرد کے پاس کوئی نصب العین، کوئی فکر آتا ہے۔ یا وہ ایک ذہنی انقلاب سے دوچار ہوتا ہے تو وہ اس کا پرچارک بھی بن جاتا ہے۔ وہ اپنے معاون لوگوں کو ڈھونڈتا ہے جو اس فکر اور نصب العین کو عمل میں لانے میں اس

کے معاون بنیں۔

مولانا سندھی کا سماجی فکر یہ ہے کہ تشکیل نو میں کامیابی کا اہم اور بنیادی اصول "حق "کے پھیلاؤ کے لیے عملی جدوجہد کرنا ہے۔ حق میں پختگی اور ثابت قدمی کے معنی پائے جاتے ہیں۔ نظریہ سمجھ لینے اور اس پر رسوخ حاصل کرنے کے یہ معنی نہیں کہ وہ عمل پر بھی اکسائے۔ کوئی بھی علم حق تب بنتا ہے جب وہ یقین کی اس حد تک پہنچ جائے کہ انسان کو عمل پر اکسائے۔ جب کوئی تعلیم محض علم کے درجے سے نکل کر سوسائٹی میں گڑ جاتی ہے وہ مضبوط ہو جاتی ہے۔ اس کے لیے مفردات القرآن للامام راغب الاصفہانی میں ایک مثال سے سمجھایا گیا ہے کہ "جیسے دروازے کی چول اپنے گڑھے میں اس طرح فٹ آجاتی کہ وہ اس میں استقامت کے ساتھ گھومتی رہتی ہے۔"[11] ایسے ہی ایمان ہے اور بندے کا تعلق ہوتا ہے کہ جونہی دروازہ چول سے ہٹا وہ گر جاتا ہے، لکڑی کا تختہ بن جاتا ہے۔

مولانا سندھیؒ فرماتے ہیں کہ ایمان اور صالح عمل اختیار کرنے، ہر قربانی دینے کا پختہ ارادہ کر لینے کے بعد بھی کامیابی تبھی ممکن ہے جب ایسے رفقاء کو ساتھ ملایا جائے جو اسی جیسا ایمان، عمل صالح، مضبوط ارادہ، قربانی کا جذبہ رکھتے ہوں۔ پھر یہ ایک جماعت، ایک جان ہو کر بھرپور سماجی جدوجہد کریں۔ اگر جماعت کے کسی ممبر کے ایمان، نظریہ یا عمل میں کمی کوتاہی موجود ہو تو اسے وصیت کریں، تلقین کریں کہ وہ ایمان کے مطابق عمل صالح کرے۔[12]

ایمان ہی وہ مرکزی نقطہ ہوتا ہے جس کے گرد تمام افراد چکر کھاتے ہیں، حکمران اپنے تخت پر، سپاہی میدان میں، اہل پیشہ بازار میں،، واعظ ممبر پر، عالم درسگاہوں میں، صناع اپنے کام کی جگہ پر یہ سب کے سب باہم مل کر اسی مقصدِ عظیمہ کے لیے جیتے اور مرتے ہیں۔

مولانا وحید الدین خان کے نزدیک انسان کی زندگی میں اسلام ایسا دین نہیں ہے کہ اس کو بس اختیار کر لیا۔ بلکہ اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کی دعوت دے دوسروں کو اس طرف بلائے، پورے معاشرے میں اس کے قیام کے لیے جان توڑ کوشش کرے۔ دین کے یہ تقاضا انسان کو بے چین کر کے اس پر دوہری ذمہ داری ڈال کر دشوار راستے پر ڈال دیتا ہے۔ اپنی ذات کو چھوڑ کر پورے کا پورا اس دین کا ہو جانا۔ خوشی، آرام، رشتہ دار غرض ہر اس شے کو چھوڑنے کے لیے تیار

ہو جانا جو دین کے راستے سے دور کر دے۔[13] جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِىْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِىَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ۔[14]

ترجمہ: کہہ دے اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں اور برادری اور مال جو تم نے کمائے ہیں اور سوداگری جس کے بند ہونے سے تم ڈرتے ہو اور مکانات جنہیں تم پسند کرتے ہو تمہیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیارے ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیجے، اور اللہ نافرمانوں کو راستہ نہیں دکھاتا۔

آیت مبارکہ میں جن چیزوں کا ذکر ہے وہ سب حقیقی طور پر جائز ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی شے اپنے وجود کے اعتبار سے حرام نہیں ان سب پر جدوجہد کو فائق قرار دیا ہے۔ ان کی وجہ سے یا ان کی محبت میں سماجی جدوجہد کو ترک کرنا فسق قرار دیا ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام نے اللہ کے رسول کے ساتھ اللہ سے یہ عہد باندھا کہ وہ دین کو غالب کریں گے تو ایسی تمام چیزوں کی قربانی دے کر دین کو قائم کیا۔ اللہ نے اس جماعت کو قبولیت بخشی۔

دینی فکر کو قبول کرنے کے ساتھ اس کے لیے سب کچھ قربان کر دینا ایمان لانے کے ساتھ جڑا ہوا یہ دو الگ الگ چیزیں نہیں۔ یعنی ایمان اور عمل صالح ایک دوسرے سے پیوست ہیں۔ صرف ایمان کچھ نہیں وہ عمل سے جڑا ہوا ہے۔ قرآن حکیم میں ہے کہ (قُلْ اِنِّىٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ- ترجمہ: کہو کہ مجھ حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلے اسلام لانے والا بنوں)[15] اس آیت کے تناظر میں مولانا وحید الدین خان فرماتے ہیں کہ

"سب سے پہلے مسلمان بننا ایک انتہائی انفرادی واقعہ ہے۔ مگر باعتبار نتائج وہ وسیع ترین اجتماعی واقعہ بن جاتا ہے۔ یہ گویا اپنے اندر آتش فشاں کی تعمیر کرنا ہے۔ جو بظاہر نگاہوں سے اوجھل ہوتا ہے مگر جب پھٹتا ہے تو سارے ماحول بلکہ سارے عالم کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔"[16]

یعنی جب انسانی نفس میں خدائی پیغام داخل ہوتا ہے جسے اسلام کہتے ہیں تو اس کے خارج کی دنیا اس سے باخبر ضرور ہوتی ہے۔ اسلامی انقلاب درحقیقت ایک نفسیاتی انقلاب ہے جو کسی نفس میں ہی وقوع پذیر ہو سکتا ہے۔ نفس کسی فرد میں اپنا ایک وجود رکھتا ہے قومی یا بین الاقوامی ڈھانچے کا فی نفسہ کوئی وجود نہیں۔ اس لیے مولانا وحید الدین کے نزدیک بین الاقوامی ڈھانچہ کو اسلامی دعوت کا نشانہ بنانا ایسا ہی جیسے فضا میں تیر چلانا۔

3۔ سماجی تشکیل نو میں رد عمل سے احتراز، صبر، ضبط اور عدم تشدد کی حکمت عملی:

سماجی تشکیل نو کا انتہائی اہم پہلو زوال پذیر معاشرے میں رائج رویوں، انسانیت دشمن طبقات کی حکمت عملی کو سمجھنے کی صلاحیت کا ہونا ہے تاکہ استقامت کے ساتھ درست سمت پر جدوجہد جاری رکھنا ممکن ہو۔ رد عمل کی حکمت عملی جدوجہد کا نقصان دیتی ہے۔ راہ راست سے ہٹا دیتی ہے۔ بعض مرتبہ تحریکات کی برسوں کی محنت پر پانی پھر جاتا ہے۔ سماجی تشکیل نو ایک شعوری عمل ہے۔ جس میں مضبوط نفسیات کے ساتھ، اپنی منزل کی طرف بڑھا جاتا ہے۔ رفتار آہستہ ہو، لیکن راہ راست پر رہنا ضروری ہوتا ہے۔

اجتماع انسانی میں کامیابی کا اہم اصول مصیبتوں اور تنگیوں کے باوجود صبر و استقامت کے کے ساتھ حق کو معاشرہ میں غالب کرنے کام کرتے رہنا ہے۔ مولانا عبید اللہ سندھی فرماتے ہیں کہ

> "جب انسان اپنے ایمان کے مطابق کام کرتا ہے اور اسے تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کرتا ہے تو اس کی راہ میں بے شمار مشقتیں اور مشکلیں پیش آتی ہیں، انہیں جھیلتا ہے ان کا مقابلہ کرتا ہے۔ اور اپنے ایمان پر مردانہ وار ڈٹا رہتا ہے۔ یہ صبر ہے۔"(17)

مولانا سندھیؒ کا کہنا ہے کہ قرآن حکیم کے اصولوں پر سماجی تشکیل نو کے لیے ایک جماعت کا ہونا ضروری ہے جو ایک مضبوط ضابطہ میں ڈھلی ہوئی ہو۔ اس ضبط کو پیدا کرنے کا مقصد بن الاقوامی انقلاب پیدا کرکے، انسانیت دشمن، مال پرست، مفاد پرستوں اور خود غرض طبقات کے خلاف خدا پرستی کا نظام قائم کرنا ہے۔ اس ضبط کی مثال صلح حدیبیہ میں ملتی ہے۔ مخالف

جماعت جو کہ نفسیاتی طور پر شکست خوردہ تھی، حضور اکرم ﷺ نے اس کمزور فریق کی شرائط اس لیے مان لیں کہ حضور اکرم ﷺ ان اصولوں کا پالن کرنا چاہتے تھے جن کے لیے آپ کی تمام جدوجہد تھی یعنی اپنے جد امجد حضرت ابراہیمؑ کے مرکز خانہ کعبہ کا احترام۔ آپ کی جماعت نے زبردست نظم و ضبط کا مظاہرہ کیا اور مخالفین کی شرائط کو تسلیم کرتے ہوئے صلح پر آمادہ وہو گئے۔ مولانا سندھیؒ فرماتے ہیں کہ

> "اس ضبط کی انتہا یہ تھی کہ جب آپ ﷺ نے اس جماعت سے موت پر بیعت لینا چاہی تو ہر ایک شخص نے ٹھنڈے دل کے ساتھ یہ سمجھ کر بیعت کی کہ یہ موت یقینی ہے۔"(18)

گویا معاشرے کو درست بنیادوں پر قائم کرنے کے لیے صبر سے کام لینا، نظم و ضبط کو اختیار کرنا بہت اونچے درجے کے اصول ہیں۔ صبر کی ضد عدم برداشت ہے۔ عدم برداشت کے ساتھ کبھی کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ منتشر جماعتیں، دشمن کی حکمت عملی کو نہ سمجھتے ہوئے انہی کے ایجنڈے پر عمل پیرا ہو جاتی ہیں اور معاشرے میں انارکی پیدا کرنے کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ چونکہ وہ مذہب کے نام سے کام کر رہی ہوتی ہیں تو اس سے مذہب بھی بدنام ہو جاتا ہے۔

سماجی تشکیل نو کا ایک اہم اصول عدم تشدد ہے۔ کہ اگر مخالفین تشدد پر اتر آئیں تو رد عمل میں آنا ہے یا اپنی حکمت عملی کو آگے بڑھاتے جانا ہے۔ مولانا سندھیؒ کے نزدیک حکومت چلانے کی صلاحیت پیدا کیے بغیر کوئی لڑ کر نیا حکمرانی کا نظام نہیں قائم کر سکتا۔ یعنی حکومت حاصل کر لینا اور بات ہے۔ حکومت چلانا الگ معاملہ ہے۔ طاقت سے حکومت تو حاصل ہو سکتی ہے لیکن حکومت چلانے کے لیے جو حکمت درکار ہوتی ہے وہ بغیر تربیت اور صلاحیت کے ممکن نہیں۔ اس کے لیے تربیت یافتہ افراد درکار ہوتے ہیں۔ سماجی تشکیل نو کے لیے کام کرنے والے عناصر کو اپنا پیغام دوسروں تک پہنچانے اور ان کو اپنے ساتھ ملانے کے لیے عدم تشدد ہی کی حکمت عملی کو اپنانا پڑتی ہے۔

مولانا سندھیؒ عدم تشدد کی مثال حضور اکرم ﷺ اور جماعت صحابہ کی جدوجہد سے پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مکہ کی تیرہ سالہ زندگی میں جماعت صحابہ اور مشرکین کی جماعت کے درمیان کشمکش تھی۔ دونوں طرف کے نوجوان ایک دوسرے کے

سامنے تھے۔ اقتدار رجعت پسند طاقت کے ہاتھ میں تھا۔ مسلمانوں میں جو لاوارث اور کمزور تھے ان کو جسمانی سزائیں دی جاتیں۔ عام مجلسوں میں مذاق اڑاکر، راستوں میں آوازیں کس کر، نفسیاتی طور پر زچ کرنے کی کوشش کی جاتی۔ مولانا سندھیؒ فرماتے ہیں کہ

"عرب میں جہاں کی روایات یہ تھیں کہ ایک شخص ہزار کے مقابلہ میں ڈٹ جاتا اور جان دے دیتا لیکن وہ دوسرے کے ظلم کو برداشت نہ کرتا، خلافِ معمول مکہ کے یہ افراد خاموشی سے قریش کے مظالم سہتے اور حضرت عمر اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما جیسے جانباز اور غصہ ور بہادر بھی ہاتھ نہ اُٹھاتے۔"(19)

سماجی تشکیل نو کے لیے جس جماعت کی ضرورت ہوتی ہے وہ عدم تشدد کی حکمت عملی کے بغیر ممکن نہیں۔ سماجی کی تشکیل نو ہوتی ہے تعلیم کے ذریعے، جو تعلیم کو قبول کرتا ہے وہ اس تعلیم کا داعی بن جاتا ہے۔ تعلیم اور دعوت دینے کے لیے عدم تشدد کے اصول کو اپنانا ناگزیر ہے۔ معاشرے کی پائیدار تشکیل ذہنی، نفسیاتی اور شعوری بنیادوں پر ہی ممکن ہو پاتی ہے۔ تحریکی، جذباتی یا ڈنڈے کے زور پر وقتی اشتعال تو پیدا ہوتا ہے لیکن پائیدار سماجی تشکیل ممکن نہیں ہوتی۔

مولانا وحید الدین خانؒ حضور اکرم ﷺ کی جدوجہد کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ وہ بیرونی دنیا کے خلاف کسی ردعمل کے طور پر وجود میں نہیں آئی۔ بلکہ وہ ایک مثبت فکر کے طور پر پیش کی گئی۔ آپ کی جدوجہد خود ایک مستقل وجود رکھتی تھی۔

"آپ کی بعثت ہوئی تو آپ کے گردوپیش وہ تمام حالات پوری شدت کے ساتھ موجود تھے جو عام طور پر سیاسی، معاشی اور سماجی تحریکوں کی بنیاد ہوا کرتے ہیں۔ مگر آپ نے ان میں سے کسی کو بھی دعوت کا عنوان نہیں بنایا۔ بلکہ انتہائی یکسوئی کے ساتھ مندرجہ بالا پروگرام کی طرف پرامن جدوجہد شروع کردی۔"(20)

ردعمل کی سوچ انسان کو بہت سے پہلوؤں پر غور کرنے سے محروم کردیتی ہے۔ جس کے نتیجے میں وہ دورس نتائج حاصل کرنے سے محروم رہتا ہے۔ مذہب اسلام کے نام پر اٹھنے والی بیشتر تحریکیں ردعمل تھیں۔ وہ حقیقی اسلام کی داعی نہ تھیں۔ بیسویں صدی میں مغربی اقوام بیدار ہوئیں، اسلحہ کی قوت کے ساتھ، مسلم ممالک پر غلبہ حاصل کرلیا۔ مغربی اقوام نے

جہاں سیاسی طور پر غالب آئیں وہیں افکار اور اذہان پر گرفت کی۔ مسلمان فطری طور پر اس کے رد عمل میں آ گئے۔ اور اس نئے دشمن کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ایسے اقدامات کو دفاعِ وطن کے نام سے کیا جاتا۔ مگر اسے دین کا تقاضا بنا کر پیش کیا گیا اور اس ردعمل کو دینی تعبیر کے طور پر آگے بڑھایا گیا۔

سماجی تشکیل نو ایک نازک مرحلہ ہوتا ہے۔ جس کے لیے عقل و شعور کے ساتھ پھونک پھونک کر قدم رکھا جاتا ہے۔ وہ جذباتیت اور لاپرواہی کا عمل نہیں ہوتا۔ اس کام کا بیڑا اٹھانے والے اپنی جان تو داؤ پر لگاتے ہیں لیکن دوسروں کی جان کا خیال رکھتے ہیں۔ وہ معاشرے میں انارکی پھیلانا پسند نہیں کرتے۔ قریش کی طرف سے مسلمانوں کو ملنے والے تکالیف، ان کو اللہ کے گھر سے روکنا، اپنے گھروں سے بے دخل کرنا، جائدادوں سے محروم کرنا، ان کی معاشی حالت کو برباد کر کے رکھ دینا، امن و سکون کی بربادی سبھی کچھ تو سہنا پڑا محمد ﷺ کی جماعت کو۔ ایسا کرنے والوں کے خلاف نفرت و دشمنی کی آگ دل میں بھر جانا فطری امر تھا۔ مگر انھوں نے ایسا نہ کیا۔ مولانا وحید الدین خانؒ صلح حدیبیہ کو پیش رکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

> "پیغمبر کی رہنمائی میں انھوں نے قدرت کے اشتہارہ کو پڑھ لیا۔ انھوں نے جان لیا کہ ربانی منصوبہ میں اس وقت انھیں جو حصہ ادا کرتا ہے وہ صبر ہے نہ کہ میدان مقابلہ میں شجاعت دکھاتا۔ یعنی یہ کہ وہ جنگ و جدال کی صورت حال کو ہر قیمت پر ختم کر دیں تاکہ لوگ قریش سے جنگ مول لینے کے اندیشے سے مامون ہو کر اسلام کی طرف بڑھ سکیں۔ انھوں نے اپنی تلواروں کو یک طرفہ طور پر میان میں کر لیا اور قریش کے ظالمانہ مطالبات تک کو مان کر ان سے دس سال کا ناجنگ معاہدہ کر لیا۔"(21)

یہ تھا ناقابل برداشت کو برداشت کرنا مگر دوررس نتائج کے لیے یہ کرنا ہوتا ہے۔ ردعمل کی تحریکات، تشدد کے گھوڑے پر سوار ہو کر اس دوراندیشی کا تصور بھی نہیں کر سکتیں۔ جب حجاز کے اطراف میں یہ خبر پھیلی کہ مسلمانوں اور قریش مکہ کے درمیان معاہدہ صلح ہو گیا ہے تو جلد ہی اس معاہدے کے نتائج آنا شروع ہو گئے۔

یہ ہے وہ عدم تشدد کا اصول جس پر چل کر کامیابی حاصل کی جاتی ہے۔ اس کے لیے اپنی منزل پر آہستہ آہستہ بڑھا

جاتا ہے۔ مخالفین کی حکمت عملی کا شعوری ادراک کیا جاتا ہے۔ اعصاب کو مضبوط رکھا جاتا ہے۔ دوسروں کی جان لینے کی بجائے خود کو قربان کرنے لیے تیار رکھنا پڑتا ہے۔ معاشرے میں انارکی پیدا کر دینا، سماجی تشکیل نو کا کسی طور بھی حصہ نہیں ہوتا۔ سیرت طیبہ سے یہ واضح طور پر راہنمائی ملتی ہے کہ معاشرے کے عام طبقات کو تنگیوں، مصیبتوں سے محفوظ رکھتے ہوئے آہستہ آگے بڑھنا اور منزل مقصود کا پالینا ہے

4۔ سماجی تشکیل نو کے لیے اعلیٰ اخلاق کی حامل تربیت یافتہ جماعت کی ضرورت واہمیت:

مولانا سندھیؒ کے نزدیک سماجی تشکیل نو یا انقلاب کی پشت پر جماعت کا وجود ہونا لازمی وضروری ہے۔ جو اس انقلاب کو وجود میں لائے۔ لہذا پروگرام کی تفصیلات کے ساتھ وہ جماعت جس نے یہ پروگرام عملاً نافذ کرنا ہے کا تعین ہونا ضروری ہے۔ قرآن حکیم میں اس جماعت کا تعارف 'حزبُ اللہ "[22] کے عنوان سے ہے۔ اس جماعت کے "فرائض اور مقاصد" کے متعلق قرآن حکیم میں جابجا آیات واحکامات موجود ہیں۔ اس جماعت سے وابستگان مؤمنین کا خطاب دے کر انہیں بتلایا گیا کہ ان کے رویہ کیا ہونے چاہیں۔ کفار و منافقین کے رویہ کیا ہیں، ان کا راستہ ان سے بالکل جدا ہے۔ اس "حزب اللہ" کے دائرے میں عرب و عجم، مرد و عورت، متقدمین (وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ- اور جو لوگ قدیم میں پہلے ہجرت کرنے والوں اور مدد دینے والوں میں سے ہیں)[23]، متاخرین (وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ- اور وہ لوگ جو نیکی میں ان کی پیروی کرنے والے ہیں)[24] جو اپنے اپنے زمانے میں قرآن کا قومی و بین الاقوامی انقلاب لانے والے ہوں گے وہ سب کی سب مسلمان قومیں شامل ہیں۔ یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔

انسانی تاریخ بطور گواہ موجود ہے کہ انبیاء کی مقدس ہستیوں نے اسی جماعتی قوت وطاقت کی بنیاد پر ہی سماج میں حق کا غلبہ قائم کیا لیکن تاریخ سے ایسی کوئی تمثیل نہیں ملتی کہ کسی فرد نے اکیلے کامیابی حاصل کی ہو۔ جیسا کہ قران حکیم میں ہے کہ (مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ ۔ محمد ﷺ اور ان کے ساتھی)[25] آیت مبارکہ میں محمد ﷺ کی بے مثال کامیابی کو جماعت صحابہ یعنی آپ کی مقدس جماعت کے ساتھ جوڑ کر بیان کیا گیا ہے۔ قرآن حکیم اجتماعی جدوجہد کی طرف بلاتا ہے۔ اور

یہ ایک سماجی حقیقت ہے کہ تشکیل نو کے لیے جماعت کا ہونا ضروری ہے۔ آں جناب حضور اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ اس آیت کی عملی تفسیر ہے۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ

"یعنی اس امام کو جو تمام قوموں کو ایک ملت پر جمع کرے۔۔۔(اسے) جن اصولوں کی ضرورت ہے، (ان میں سے) ایک یہ ہے کہ وہ پہلے ایک جماعت کو صحیح پروگرام کی دعوت دے۔ انہیں (ان کی غلط کاریوں سے) پاک کرے۔ پھر ان کی حالت کو درست کرے۔ اور پھر انہیں اپنا آلہ کار بنائے۔ اور ان کی مدد سے تمام دنیا سے جنگ کرے۔ اور انہیں دنیا بھر میں (دعوت و تبلیغ کے لیے) پھیلا دے۔ چنانچہ قرآن حکیم اس آیت ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اَخْرِجَتْ لِلنَّاسِ۔ تم بہترین امت ہو جو تمام انسانوں کے لیے پیدا کی گئی ہے۔)[26] کا یہی مطلب ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ امام تن تنہا تمام قوموں سے لڑ نہیں سکتا"۔[27]

مولانا عبید اللہ سندھیؒ نصوص قطعیہ کی بنیاد پر مدلل گفتگو کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ تاریخ انسانی پر نظر دوڑاؤ اور جائزہ لے کر بتلاؤ کہ کوئی شخص ایمان اور عمل صالح تو رکھے لیکن جماعت بنائے بغیر اجتماع میں غلبہ پالے۔ تاریخ ایسی ایک بھی مثال دینے سے قاصر ہے۔[28]

صحابہ کرام کی جماعت شروع سے ہی حضور اکرم ﷺ کے ساتھ غلبہ دین کے اہم مقصد میں شریک کار ہے۔ قرآن حکیم میں اس جماعت کا ذکر حضور اکرم ﷺ کے ساتھ کیا گیا ہے۔(مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَه۔ محمد اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں[29]) [30] جو لوگ تمام مسلمانوں کے ساتھ معاشرتی تشکیل نو کا نظریہ رکھتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ ان مسلمانوں میں سے ایک ایسی جماعت کی ضرورت ہے جو ہم فکر ہو، ذہنی و عملی طور پر ایک طرح سوچتے اور کام کرتے ہوں۔ یہی ایک طریقہ ہے جس سے کام بہترین اور جلدی ہو سکتا ہے۔[31]

یعنی سماجی تشکیل نو کا پہلا مرحلہ ذاتی / انفرادی تبدیلی ہے جس کو ایمان لانا کہتے ہیں۔ اس ذاتی تبدیلی کے حاملین خود کو ایک جماعت میں ڈھالتے جائیں گے جیسے ایمان کے ساتھ عمل صالح کی بات کی گئی۔ اس دوران یہ مکمل طور پر عدم تشدد کی

پابندی کرتے ہیں۔ یہ جماعت نظم وضبط کی حامل ہوتی ہے۔ کسی جگہ قانون کو ہاتھ میں نہیں لیتی، یہاں تک کہ سماجی معاہدات کے ذریعہ اپنا نظام قائم کرلے۔ یہ جماعت پہلے مرحلے میں قومی انقلاب برپا کرے گی جیسے ریاست مدینہ کا قیام عمل میں آیا۔ اور اگلے مرحلے میں بین الاقوامی انقلاب کی طرف بڑھے گی جیسے جماعت صحابہ نے حضرت عمر فاروق کے زمانہ خلافت میں قیصر و کسریٰ کی حکومتوں کو فتح کیا۔

جماعت کی تیاری اور عدل کے نظام کا غلبہ اس پر مولانا وحید الدین خان کا تصور مولانا سندھیؒ سے مختلف ہے۔ جیسا کہ مذکورہ بالا بحث سے یہ بات سامنے آئی کہ سماجی تشکیل نو کے تناظر میں مولانا سندھیؒ کا تصور یہ ہے کہ نظام کی تشکیل، اس کے لیے جماعت کی تیاری، دعوت اسلام کا پہلے دن سے ہی مقصود تھا۔ جبکہ مولانا وحید الدین خانؒ کا تصور یہ ہے کہ

> "دنیا میں سیاسی اور تمدنی انقلاب اسلامی دعوت کا براہ راست نشانہ نہیں۔ تاہم وہ اس کا بالواسطہ نتیجہ ہے۔ کسی معاشرہ میں جب قابل لحاظ تعداد ایسے افراد کی جمع ہو جائے جو اللہ کے لیے جینا اور اللہ کے لئے مرنا چاہتے ہوں تو قدرتی طور پر وقت کی سیاست اور تمدن پر انھیں کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ اسلامی سیاست یا اسلامی نظام نام ہے ایسے لوگوں کے ہاتھ میں اقتدار آنے کا جو اللہ کے آگے اپنے کو بے نفس کر چکے ہوں جنھوں نے اپنی" میں "کو خدا کے عظیم تر میں، میں گم کر دیا ہو۔"[32]

مولانا وحید الدین خانؒ کا مؤقف یہ ہے کہ ایمان لانے والوں کو یہ حکم نہیں کہ وہ اسلامی اقتدار کے لیے مہم چلائیں۔ ان کا براہ راست اقدام قیام حکومت کے لیے نہیں ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے کہ "اقتدار کا مالک اللہ ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے حکومت دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔"[33] کسی نبی نے براہ راست قیام حکومت کی مہم نہیں چلائی۔ حضرت داؤدؑ نے حکومت کی مگر قرآن کا ارشاد ہے کہ "اے داؤد تم کو یہ اقتدار ہم نے عطا کیا ہے۔"[34] [35] سیاست و حکومت کو دین سے خارج عمل قرار نہیں دیتے تاہم اسے ایک قدرتی نتیجہ یا آخری انجام قرار دیتے ہیں۔ مولانا وحید الدین خان فرماتے ہیں کہ

> "جس چیز کو ہم سیاسی انقلاب کہتے ہیں وہ بھی اسی کش مکش کا ایک قدرتی نتیجہ ہے جس کے بعد ماحول پر اسلام کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ سیاسی انقلاب برپا کرنا اسلام کا اصل مقصود ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ یہ

تنقید نہیں بلکہ ذریعہ ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک مسلسل عمل کا آخری انجام ہے۔"[36]

ایمان کا تعلق قلب کے ساتھ ہے جس کو قبول کرنے کے بعد انسان اپنا جینا مرنا اسی کا ساتھ جوڑ دیتا ہے۔ اندر کا یہی جذبہ جب عمل کی صورت اختیار کرتا ہے۔ یعنی جو وہ ذہن سے خارج میں اپنا اظہار کرتا ہے، اور معاشرے میں پھیلتا ہے تو یہ پھیلاؤ اسلامی انقلاب ہے۔ انقلاب کو اس طرح نہیں اگایا جاتا جس طرح کوئی درخت کو اگالیتا ہے۔

مولانا وحید الدین خانؒ کہتے ہیں کہ اسلام میں سیاسی انقلاب کی اہمیت کیا ہے؟ اسلام میں سیاسی انقلاب در حقیقت اہل باطل پر اہل حق کے غلبہ کا نام ہے۔ اور یہ غلبہ اللہ کی توفیق اور نصرت سے ہی ممکن ہوتا ہے۔ اس نصرت کے حصول کا واحد ذریعہ دعوت ہے۔ دعوت حق کی تمام شرائط پوری ہو جائیں، اتمام حجت ہو جائے تو اہل حق انعام کے طور پر غلبہ اور اہل باطل سزا کے طور پر مغلوب ہو جاتے ہیں۔[37]

یعنی دعوت رسول اللہ ﷺ کی دعوت کا اصل اصول یہ تھا کہ ساری اہمیت مسئلہ آخرت کو دی جائے۔ دنیا کے معاملات اس دعوت کا حصہ نہ ہوں۔ کیونکہ آخرت ہی انسانوں کا حقیقی اور ہمیشگی پر قائم رہنے والا ہے۔ دنیاوی مسائل عارضی اور اضافی حیثیت رکھتے ہیں۔ آخرت کے تصور کے بغیر انسانوں کی فلاح اتنی ہی غیر معنوی ہے جتنی کہ اس کی ناکامی بے معنی ہے۔

5۔ سماجی تشکیل نو کے لیے معتدل تصور کی ضرورت واہمیت:

اٹھارہویں صدی میں برصغیر میں اور بیسویں صدی ربع اول میں بالعموم مسلم دور حکمرانی کا اختتام ہو گیا۔ مولانا سندھیؒ اس کا تجزیہ کچھ یوں کرتے ہیں کہ یہ نیا دور بہت سی مصیبتیں ساتھ لایا، مسلمان جو کل تک تاج و تخت کے مالک تھے، وہ دوسروں کے غلام ہو گئے، جو سیاسی طاقت اور معاشی قوت جس کے مالک مسلمان تھے اب وہ اس سے یکسر محروم ہو گئے۔ علم و فضل جو ان کا اوڑھنا بچھونا تھا اب وہ دوسروں کے پاس چلا گیا۔ یہی وہ چیزیں ہوتی ہیں جس کے سبب اقوام بام عروج سے گر کر

ذلت کے گڑھے میں جا پڑتے ہیں۔ یہ کچھ معمولی تبدیلیاں نہ تھیں۔ ان حالات میں یہ تصور کرنا کہ وہ طرز زندگی، وہ تمدن اور قانون بعینہ اسی طرح زندہ ہو جائے ناممکن ہے۔ زوال یافتہ قوموں کی حیثیت ایک واقعہ سے زیادہ نہیں رہ جاتی۔ وہ قومی و ملی تشخص ایک علامت بن کر رہ جاتا ہے۔[38]

مسلم تمدن جو ایک ہزار سال تک دنیا میں قائم رہا مولانا سندھیؒ کا کہنا ہے کہ اس کو شکست ہوئی جس کو تسلیم کرنا چاہیے اور اس کا اعتراف کرنا چاہیے۔ یہ تمدن اور قائم نظام کی شکست تو ہے لیکن فکر کی شکست نہیں۔ اس فکر پر جو عملی ڈھانچہ قائم کیا تھا وہ ٹوٹ چکا۔ جہاز ڈوبنے کے بعد جہاز کے تختوں سے چمٹ کر بیٹھے رہنا کسی طور بھی عقل مندی نہیں۔ جب جہاز ڈوب رہا تھا اس کو بچانے کے لیے جان توڑ کوششیں کی گئیں، قربانیاں دی گئیں۔ جب یہ جہاز سمندر کے اوپر تھا تو اس کی خاطر سمندر ی لہروں اور آندھیوں سے لڑتے رہے، اب جب کہ یہ سمندر کی تہہ میں اتر چکا ہے تو اس کے تر آنے کی بھی کوئی امید نہیں تو اس پر افسوس کرتے رہنا، ہاتھ ملتے رہنا، آنسو بہانا کہاں کی دانشمندی ہے۔ اگر اس کو قبول نہ کیا تو یہ فہم و فراست کا دیوالیہ ہو گا۔ جس تصور پر پہلا جہاز بنایا تھا وہ تصور اور فکر آج بھی زندہ ہے۔ اب نیا جہاز بنائیں گے۔ جس میں پہلے جہاز کے نمونہ کو پیش نظر رکھیں گے۔ اس کے بنانے میں جو مہارتیں اور فنون اختیار کیے گئے تھے ان کو بھی سامنے رکھا جائے گا۔ لیکن بعینہ ویسا بنانا، اس کو دوبارہ زندہ کرنا ممکن نہیں۔ اب ایک تاریخ بن چکا ہے۔[39]

انسانیت کو کسی زمان و مکان کا پابند بنانا ممکن نہیں۔ انسانیت آگے کی طرف سفر کرتی ہے۔ پچھلی غلطیوں کو کھنگالتی ہے۔ درست سمت کا تعین کرتی ہے۔ سابقہ تجربات سے فائدہ اٹھاتی ہے۔ نئے حالات کا تجزیہ کرتی ہے۔ مسلمانوں کے پاس دینی فکر محفوظ ہے۔ اسی دینی فکر پر سابقہ نظام قائم ہوا تھا۔ جو مسلمانوں کی جدوجہد کا نتیجہ تھا۔ جس طرح پہلے عملی جدوجہد کر کے ایک نظام تشکیل دیا تھا اس فکر پر آج کے دور کے مطابق نیا نظام بنانا کون سا مشکل ہے۔ اصل کام نئے دور کے تقاضوں کو سمجھنا ہے۔ اس فکر پر نئے دور کے تقاضوں مطابق نظام کی تشکیل نو کی ضرورت ہے۔

مولانا وحید الدین خانؒ چودھویں صدی کی مسلم تحریکات کا تجزیہ کرتے ہیں کہ یہ تحریکات کوئی مثبت رویوں کے

ساتھ نہیں ابھریں بلکہ ان کی بنیاد ردعمل ہے۔ جن میں مغرب کے بارے ایک طرفہ تصور ہے کہ وہ حملہ آور ہیں، اسی ایک چیلنج کا مقابلہ کرنے کی تیاری کی۔ جب کہ مغرب نے جو جدید دریافتیں کیں اس سے بے خبر رہ گئے۔ مغرب کی تشکیل جدید میں خود مسلمانوں کا بڑا کردار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم تحریکات مغرب کے مثبت پہلو سے کوئی استفادہ نہیں کر سکیں۔[40]

دین کی حقیقت کھو جائے تو دین میں بگاڑ آتا ہے۔ پھر کچھ مظاہر کا نام دین بن جاتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے کہ کسی انسان کا ظاہری ڈھانچہ تو ہو لیکن اس کی روح نکل جائے۔ اسی طرح رسوم اور ظواہر پر قائم دین جو اصل روح سے خالی ہو اللہ کو مطلوب نہیں۔ اس کی اصل روح کو زندہ کرنا دین کا حقیقی کام ہے۔ تجدید دین درحقیقت حکمت دین کو زندہ کرنے کا کام ہے۔

مسلم دور حکمرانی کے زوال کے بعد بہت سی جماعتیں اور تحریکات اٹھیں، وقتی حالات، مخصوص سیاسی حالات کے ردعمل کا شکار ہیں۔ یہ تحریکات اس ربانی شعور سے خالی تھیں جو پچھلے ہزار سال میں مسلمانوں کے پاس رہا۔[41] اس دور میں احیاء اسلام کے نام جدوجہد کرنے والے عالم تھے، قرآن پڑھنے والے تھے مگر ان کا شاکلہ علم کلام، فقہ اور تصوف سے بنا تھا۔ کلامی ذہن نے مناظرہ کو، صوفیانہ ذہن نے خانقاہی تعلیم و تربیت کو خدمت اسلام سمجھا۔ فقہی ذہن رکھنے والوں نے اسلام کی خدمت بطور نظام عمل میں لانے کی کوشش کی۔ الٰہی حکومت قائم کر کے قوانین کو نافذ کرنا ان کا مطمح نظر ٹھہرا۔ ان تصورات نے عوام میں اس طرح جڑ پکڑ لی کہ اسلام کا اصل کام کرنے کی ضرورت ہی کسی نے محسوس نہ کی۔ عوام کو بزرگوں کی خدمت، نذرانے اور دینی اداروں کی تعمیر کے لیے چندہ، یہ دو ہی کام انہیں دینی خدمت کے طور پر نظر آئے۔ اس کے علاوہ نہ تو انہیں کوئی اور دینی کام سمجھ آتا ہے اور نہ ہی ان سے توقع رکھی جا سکتی ہے۔[42]

ایسے حالات میں تجدید کا اصل کام یہ ہے کہ جو دین اجنبی بن چکا ہے اور اس سے لوگوں کو دوبارہ مانوس بنایا جائے۔ اسے معروف معلوم دین بنایا جائے۔ لوگوں کی فکری و نفسیاتی تربیت کی جائے اور انہیں اس قابل بنایا جائے کہ وہ اصل دین کو سمجھنے کے قابل ہو جائیں۔ سماجی تجدید کا مطلب محض تجدید سیاست نہیں۔ بلکہ انسانی زندگی کے تمام شعبے عقائد، عبادات،

اخلاق، سیاسیات، معاشیات، معاشرت اسی کے گرد گھومتے ہوں۔ یہ بطور نظام دنیا کے تمام نظاموں پر غالب ہو۔ لیکن اس عالمی غلبہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ تمام بنیادی اقدامات کیے جائیں جو سماجی تشکیل نو کے لیے ضروری ہیں۔ سماجی تشکیل نو کا طریقہ کار ریاضی کے اصول جمع، تفریق، ضرب تقسیم کی طرح بالکل واضح ہے۔

نتائج تحقیق

1. جس طرح زندگی کے انفرادی امور میں انسان سب سے پہلے ذہن میں ایک خاکہ تیار کرتا ہے۔ اسی طرح اجتماعی امور کے لیے بھی ایک اجتماعی فکر کی ضرورت ہوتی ہے۔
2. سماجی تشکیل نو کا پہلا اصول ہے کہ ایک نظام فکر ہو۔ عمل سے پہلے ایک مربوط فکر اور نصب العین کا ہونا ضروری ہے۔ قرآن حکیم میں اسی کو ایمان کہا گیا ہے۔ سب سے زیادہ زور اسی کو سمجھنے پر دیا گیا ہے۔ تاکہ ذہن میں ایک صاف تخیل ہو۔
3. ایمان، نصب العین، فکر کی دعوت دی جاتی ہے۔ مدعو سے مکالمہ ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ یہ دلوں میں پیوست ہو جائے۔ جو اس فکر کو قبول کرتا جائے وہ اس ہم فکر اجتماعیت کا حصہ بن جاتا ہے۔
4. اجتماعی فکر کو معاشرے میں عمل میں لانے کے لیے ایک منظم جماعت کی ضرورت ہوتی ہے۔ قرآن حکیم میں اسے حزب اللہ قرار دیا گیا ہے۔ جس طرح رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپ کے صحابہ تھے۔ یہ اس ایمان کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ ایمان اور جماعت کا عمل ایک دوسرے سے جڑے ہوتے ہیں۔
5. سماجی تشکیل نو ایک علمی و شعوری عمل ہے۔ تحریکی، جذباتی یا ڈنڈے کے زور پر وقتی اشتعال تو پیدا ہوتا ہے لیکن پائیدار سماجی تشکیل ممکن نہیں ہوتی۔ ایسا کوئی بھی عمل جس سے معاشرتی انتشار ہو اختیار نہیں کیا جاتا۔

6. سماجی تشکیل نو میں رد عمل کی حکمت عملی نہیں اپنائی جاتی۔ رد عمل کی سوچ انسان کو بہت سے پہلوؤں پر غور کرنے سے محروم کر دیتی ہے۔ جس کے نتیجے میں وہ دور س نتائج حاصل کرنے سے محروم رہتا ہے۔ عدم تشدد، صبر اور برداشت کو اپنایا جاتا ہے۔

7. مسلم دور حکومت کے زوال کے بعد مسلمانوں کے رویوں میں جمود اور تحریکوں میں رد عمل کی نفسیات ہے۔ زوال کا شعوری بنیادوں پر تجزیہ، جدید دور کے تقاضوں کو پیش نظر رکھے بغیر کوئی بھی اقدام نقصان دیتا ہے۔

8. حکومت چلے جانے کے بعد حکومت کے حصول کی جدوجہد کرنا، دین کی خدمت نہیں بلکہ اقتدار کی خواہش ہے۔ اقتدار سے پہلے جن اعلیٰ اخلاق کی ضرورت ہے۔ اس کو پیدا کرنا ضروری ہے۔

9. دینی اصولوں پر سماجی تشکیل نو کے لیے دین کی حقیقت کو سمجھنا، ربانی شعور کو پیدا کرنا ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور جماعت صحابہ کا محض نام لے کر کام کرنے کی بجائے ان کو نمونہ بنا کر کام کرنا چاہیے۔

10. آج اصل دین نظروں سے اوجھل ہے۔ دعوت دین کی بجائے گروہی تشریح کو مسلط کرنے کا ذہن پایا جاتا ہے۔ آج ضرورت ہے کہ حقیقی دین کی دعوت دی جائے۔ لوگوں کے دلوں میں گھر کیا جائے۔

مصادر اور مراجع:

1۔ مفتی عبدالخالق آزاد، **سرگذشت حیات امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ** (لاہور: رحیمیہ مطبوعات، 2014ء)، 50-55۔

Muftí ʿAbdul-ul-Khaliq ʾAzaḍ, Sarguzasht-e-Ḥayat, ʾImam-e-ʾInqalab Maulana *ʿUbaydullah Sindhi* (*La*ḥ*ore: Ra*ḥ*imiya Matbuʿat,2014), 50-55.*

2۔ عمران حسن شاہ، **اوراق حیات** (دہلی، انڈیا: رہبر بک سروس، 2015)، 33۔

ʿImran Ḥasan Shah, ʾQraq-e-Ḥayat, (Delhi, India: Rahbar Book Service, 2015), 33.

3۔ مولانا عبید اللہ سندھی، **شعور آگہی** (رحیمیہ مطبوعات، لاہور، 2022)، 213۔

Mwulana ʿUbaydullah Sindhi, Shaʿur-u-ʾAghi (Laḥore: Raḥimiya Matbuʿat,2022),213.

4۔ آل عمران، 3:103۔

ʾAal-e-ʿImran,3:103

5۔ مولانا عبید اللہ سندھی، **قرآنی دستور انقلاب** (گوجرانوالہ: مکتبہ حنفیہ، ت۔ن)، 27۔

Mwulana ʿUbaydullah Sindhi, Qurʾani Dastour-e-ʾInqalab (Gujranwalh: Maktabh Ḥanfiya),27.

6۔ مولانا سندھی، عبید اللہ، مولانا، **قرآنی اصول انقلاب** (گوجرانوالہ: مکتبہ حنفیہ، ت۔ن)، 24۔

Mwulana ʿUbaydullah Sindhi, Qurʾani ʾUsoul-e-ʾInqalab (Gujranwalh: Maktabh Ḥanfiya), 24.

7۔ الاعراف، 7:96۔

ʾAl ʾAʿraf,7:96.

8۔ مولانا وحید الدین خان، **احیاء اسلام** (دہلی: مکتبہ الرسالہ، 1995)، 17۔

Mwulana Waḥiduddin Khan, ʾAḥyaʾe ʾIslam (Delhi: Maktabh ʾAl Risalh, 1995), 17.

9۔ ایضاً، 19۔

Ibid, 19.

10۔ ایضاً، 22۔

Ibid, 22.

11۔ ابو القاسم الحسین بن محمدالراغب الاصفہانی، **المفردات فی غریب القرآن** (لبنان: دارالمعرفہ، (ت-ن)، کتاب الحا، 126-125۔

ʾAbi ʾAl Qasim ʾAl Ḥusain bin Muḥammad ʾAl Raghib ʾAl Asfihani, ʾAl Mufridat fi Gharib-i- ʾAl Qurʾan (Labnan: Dar-u- ʾAl Marafa), Kitab-ul-Ḥa, 125-126.

12۔ سندھی، **اصول**، 24۔

Sindhi, ʾUsoul, 24.

13۔ مولانا وحید الدین خان، **اسلام ایک عظیم جدوجہد** (مکتبہ الرسالہ، دہلی، ت ن)، 16-15۔

Mwulana Waḥiduddin Khan, ʾIslam ʾaik ʿAzeem Jid-u-Juhad (Delhi: Maktabh ʾAl Risalh), 15-16.

14۔ التوبہ 9:24۔

ʾAl Tauba, 9:24

15۔ الانعام، 6:14۔

ʾAl ʾAnʿaam, 6:14

16۔ مولانا وحید الدین خان، **پیغمبر انقلاب** (دہلی: مکتبہ الرسالہ، 1982)، 136-135۔

Mwulana Waḥiduddin Khan, Paighambar-e-ʾInqalab, (Delhi: Maktabh ʾAl Risalh,

1982), 135-136.

17۔ مولانا عبید اللہ سندھی، **قرآنی شعور انقلاب**(لاہور: رحیمیہ مطبوعات،2009)،711۔

Mwulana ʿUbaydullah Sindhi, Qurʾani Shaʿur-e-Inqalab (Laḥor: Raḥimiya Matbuʿat,2009), 711.

18۔ مولانا عبید اللہ سندھی، **قرآنی عنوان انقلاب**(گوجرانوالہ: مکتبہ حنفیہ، ت ن)،12۔

Mwulana ʿUbaydullah Sindhi, Qurʾani ʿUnwan-e-Inqalab (Gujranwalh: Maktabh Ḥanfiya), 12.

19۔ سندھی، **آگہی**،246۔

Sindhi, ʾAghi, 246.

20۔ خان، **انقلاب**،143۔

Khan, Inqalab. 143.

21۔ مولانا وحید الدین خان، **دعوت اسلام**(دہلی: مکتبہ الرسالہ،1997)،43۔

Mwulana Wahiduddin Khan, Dʿawat-e-ʾIslam (Delhi: Maktabh ʾAl Risalh1997 ،), 43.

22۔ المجادلہ،58:22۔

ʾAl Mujadalh, 58:22.

23۔ التوبۃ،9:100۔

ʾAl Tauba, 9:100

24۔ ایضا

Ibid

25۔ الفتح،48:29۔

ʾAl Fataḥ, 48:29.

26۔ آل عمران،3:110۔

ʾAal-e-ʿImran,3:110

27۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، المبحث السادس، باب الحاجۃ الی دین ینسخ الادیان۔(لبنان: دار الجیل،۲۰۰۵ء)۱/۲۰۷۔

Shah Waliyuʾllah, Ḥujjatullah-i-ʾAl Balighah ʾAl Mabḥas ʾAl Sadis, Baab ʾAl ḥajh ʾila Din yansikh-ul-ʾadyan (Lebonen: Dar al Jial, 2005) 1/207.

28۔ سندھی، **اصول**،24۔

Sindhi, ʾUsoul, 24.

29۔ الفتح،48:29۔

ʾAl Fataḥ, 48:29.

30۔سندھی، **دستور**،21۔

Sindhi, Dastour, 21.

31۔سندھی، **عنوان**،61۔

Sindhi, ʿUnwan, 61.

32۔مولاناوحیدالدین خان، **اسلام پندرھویں صدی میں**(دہلی: مکتبہ الرسالہ،1996)،29۔

Mwulana Waḥiduddin <u>Kh</u>an, ʾIslam Pandrhwien Şadi ma,(Delhi: Maktabh ʾAl Risalh 1996), 29.

33۔آل عمران،3:26۔

ʾAal-e-ʿImran,3:26

34۔ص،38:26۔

Şaad, 38:26

35۔مولاناوحیدالدین خانؒ، **دین کیاہے**(دہلی: مکتبہ الرسالہ،2001)،9۔

Mwulana Waḥiduddin <u>Kh</u>an, Din Kaya Ha? (Delhi: Maktabh ʾAl Risalh, 2001),9.

36۔خانؒ، **جدوجہد**،20۔

<u>Kh</u>an, Jid-u-Juhad, 20.

37۔خان، **صدی**،26۔

<u>Kh</u>an, Şadi, 26.

38۔**محمد** سرور، مولاناعبیداللہ سندھیؒ، **حالات، تعلیمات اور سیاسی افکار**(لاہور: المحموداکیڈمی،1976)،195،194۔

Muḥammad Sarwar, Mwulana ʿUbaydullah Sindhi, Ḥalat, Tʿalimat ʿAur Sayasi Afkar (Lahoree: ʿAl Mahmood Academy, 1976), 194-195.

39۔سندھی، **آگہی**،120۔

Sindhi, ʾAghi, 120.

40۔**خان، صدی**،28۔

<u>Kh</u>an, Şadi, 28.

41۔خان، **انقلاب**،287۔

<u>Kh</u>an, Inqalab. 287.

42۔مولاناوحیدالدین خانؒ، **تجدیددین**(دہلی: مکتبہ الرسالہ،2003)،80۔

Mwulana Waḥiduddin <u>Kh</u>an, Tajdid-e-din (Delhi: Maktabh ʾAl Risalh, 2003), 80.